بسم اللہ الرحمن الرحیم

بلند آواز سے ذکر کرنا بہتر ہے یا آہستہ آواز میں؟

دارالافتاء اہلسنت (دعوت اسلامی)

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ذکرِ الٰہی بلند آواز سے کرنا افضل ہے یا آہستہ؟ قرآنی آیات مثلاً ''اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً'' اور ''وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ'' سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آہستہ آواز سے گڑگڑا کر پکارنا اور عاجزی کے ساتھ ذکر کرنا شرعی طور پر زیادہ پسندیدہ ہے، جبکہ دوسری طرف روایات سے بلند آواز سے ذکر کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ شرعی رہنمائی فرمائیں کہ دونوں طریقوں میں سے کون سا طریقہ بہتر اور افضل ہے؟ نیز آیاتِ کریمہ اور جہری ذکر کی روایات میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

جواب

ذکرِ الٰہی کی دونوں صورتیں یعنی آہستہ اور بلند، قرآن و سنت سے ثابت ہیں، البتہ افضل کیا ہے، تو فرد، وقت اور حالت کے اعتبار سے دونوں ہی افضل ہوتے ہیں، لہذا اُس شخص کے لیے آہستہ ذکر کرنا افضل ہے، جسے خود میں دکھاوے اور ریاکاری کا ڈر ہو یا جہاں بلند آواز سے کسی نمازی کی عبادت، مریض کی تکلیف یا کسی سوتے ہوئے شخص کی نیند میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو اور اس کے برعکس اگر ریاکاری کا خطرہ نہ ہو اور دوسروں کو کوئی تکلیف بھی نہ پہنچ رہی ہو، تو بلند آواز سے ذکر یا تلاوت کرنا مستحب بلکہ کئی حکمتوں کی صورت میں افضل اور بہتر ہے۔

سوال میں منقول آیات کو معتبر تفاسیر کے ساتھ اور ذکرِ جہری کے استحباب کے متعلق دیگر کلام نیچے بالترتیب دلائل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

سوال میں منقول پہلی آیت اور اُس کی تفسیر:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةًؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَۚ(55)﴾ ترجمہ کنزالعرفان: اپنے رب سے گڑگڑاتے ہوئے اور آہستہ آواز سے دعا کرو۔ بیشک وہ حد سے بڑھنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ (پ08، الاعراف: 55)

یاد رہے کہ یہ آیت دعا کے بارے میں ہے، مطلق ذکر کے بارے میں نہیں، چنانچہ علامہ اسماعیل حقی حنفی رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہ (وِصال: 1127ھ/1715ء) لکھتے ہیں: ''ادعوا ای متضرعین متذللین مخفین الدعاء لیکون اقرب الی الاجابۃ لکون الإخفاء دلیل الإخلاص و الاحتراز علی الریاء'' ترجمہ: تم عاجزی، انکساری اور پوشیدہ طریقے سے دعا مانگو، کہ وہ قبولیت کے زیادہ

قریب ہے، کیونکہ دعا کو پوشیدہ رکھنا اخلاص کی نشانی اور دکھاوے سے بچنے کا ذریعہ ہے۔(تفسیر روح البیان، جلد 03، صفحہ 177، مطبوعۃ دار الفکر، بیروت)

یونہی مفسرِ قرآن، علامہ خازن رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (وِصال: 741ھ/1341ء) لکھتے ہیں: "المراد به حقيقة الدعاء هو الصحيح" ترجمہ واضح۔(تفسیر الخازن، جلد 2، صفحہ 210، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مزید لکھا: "والأدب في الدعاء أن يكون خفيا لهذه الآية" ترجمہ: اِس آیت کے سبب دعا کا ادب یہ ہے کہ وہ آہستہ ہو۔(تفسیر الخازن، جلد 2، صفحہ 210، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

معلوم ہوا کہ آیت مبارکہ میں جس عمل کو آہستہ آواز سے کرنے کا حکم دیا گیا، وہ "دعا" ہے، مطلق ذکر الٰہی نہیں۔ آیت کے آخری کلمات ﴿اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ﴾ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

"اعتداء فی الدعا" کا مطلب:

آیت کے آخر میں حد سے بڑھنے سے مراد آواز کی بلندی نہیں ہے، بلکہ جس چیز کو مانگا جا رہا ہے، اُس میں حد سے بڑھنا ہے، مثلاً انبیائے کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا مرتبہ مانگنا یا آسمان پر چڑھنے کی دعا کرنا، اسی طرح جو چیزیں محال یا قریب بہ محال ہیں ان کی دعا کرنا، ہمیشہ کے لئے تندرستی اور عافیت مانگنا، ایسے کام کے بدلنے کی دعا مانگنا جس پر قلم جاری ہو چکا مثلاً لمبا آدمی کہے میرا قد کم ہو جائے یا چھوٹی آنکھوں والا کہے کہ میری آنکھیں بڑی ہو جائیں، وغیر ذلک۔ تقریباً تمام مفسرین نے "اعتداء" کے تحت یہی لکھا ہے، جس سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ یہاں **"آواز کی بلندی اور وہ بھی ہر طرح کے ذکر الٰہی میں"** ہر گز مراد نہیں، لہٰذا یہ آیتِ کریمہ تو اِس چیز پر حجت ہی نہیں کہ ذکر بالجہر ممنوع ہے، بلکہ اس آیت کی مراد ہی مختلف ہے۔

"اعتداء" کی مراد واضح کرتے ہوئے امام عبد اللہ بن احمد نَسَفی رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (وِصال: 710ھ/1310ء) اِس آیت کے تحت ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "سيكون قوم يعتدون فى الدعاء وحسن المرء أن يقول اللّٰهم إني أسألك الجنة وما قرّب إليها من قول وعمل وأعوذ بك من النار وما قرب اليها من قول وعلم ثم قرأ ﴿اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ﴾" ترجمہ: عنقریب کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو دعا میں حد سے بڑھ جائیں گے۔ انسان کے لیے بس یہ کہنا ہی بہتر ہے کہ اے اللہ! میں تجھ سے جنت کا اور ہر اس قول و عمل کا سوال کرتا ہوں، جو جنت کے قریب کر دے، اور جہنم سے اور ہر اس قول و عمل سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو جہنم کے قریب کر دے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ﴾۔(تفسیر النسفی، جلد 1، صفحہ 574، مطبوعہ دار الکلم الطیب، بیروت)

یونہی "سنن اَبی داوٗد" میں ہے: "عبد الله بن مغفل سمع ابنه يقول: اللّٰهم إني أسألك القصر الأبيض عن يمين الجنة إذا دخلتها، فقال: أي بني، سل الله الجنة، وتعوذ به من النار، فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "إنه سيكون في هذه الأمة قوم يعتدون في الطهور والدعاء"" ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا کہ اے

اللہ! جب میں جنت میں داخل ہوں تو مجھے جنت کی دائیں طرف سفید محل عطا فرما۔ انہوں نے کہا کہ پیارے بیٹے! اللہ سے صرف جنت کا سوال کرو اور جہنم سے اس کی پناہ مانگو، کیونکہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس امت میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو پاکی حاصل کرنے اور دعا کرنے میں حد سے بڑھ جائیں گے۔ (سنن ابی داوٗد، جلد 01، صفحہ 71، مطبوعہ دار الرسالۃ العالمیۃ، بیروت)

علامہ نسفی رحمہ اللہ کی نقل کردہ روایت اور سنن ابو داؤد کی روایت میں موجود فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے بالکل واضح کر دیا کہ آیتِ کریمہ میں موجود "اعتداء" سے کیا مراد ہے اور آیت کی وہ تفسیر کہ جو خود نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہو، وہ نہایت قابلِ استناد و اعتبار ہوتی ہے، چنانچہ فن "علوم القرآن" کی معروف کتاب "الاِتقان فی علوم القرآن" میں علامہ جلال الدین سیوطی رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (وِصال: 911ھ/1505ء) نے لکھا: "للناظر في القرآن لطلب التفسير مآخذ كثيرة أمهاتها أربعة: الأول: النقل عن النبي صلى الله عليه وسلم، وهذا هو الطراز المعلم" ترجمہ: قرآن مجید کی تفسیر سمجھنے کے خواہش مند کے لیے بہت سے علمی ذرائع ہیں، جن میں سے بنیادی ذرائع چار ہیں۔ پہلا ذریعہ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے منقول روایات ہیں اور یہی اعلیٰ اور مستند طریقہ ہے۔ (الاِتقان فی علوم القرآن، جلد 04، صفحہ 207، مطبوعۃ الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب)

دوسری آیت اور اُس کی تفسیر:

ارشاد فرمایا گیا: ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ﴾ ترجمہ کنز العرفان: "اور اے حبیب! جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں تو بیشک میں نزدیک ہوں۔" (پ 02، البقرۃ: 186)

یہ آیت بھی سوال و دعا کے متعلق ہے، مطلق ذکر کے متعلق نہیں، چنانچہ اِس کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے صاحبِ ترجیح علامہ ابنِ کمال پاشا حنفی رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (وِصال: 940ھ/1534ء) نے لکھا: "رُوي أن أعرابيًّا قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم: أقريبٌ ربُّنا فنناجيه، أم بعيدٌ فنناديه؟ فنزلت" ترجمہ: روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا ہمارا پروردگار ہمارے قریب ہے کہ ہم آہستہ آواز میں التجا کریں یا وہ دور ہے کہ ہم اسے اونچی آواز سے پکاریں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کمال باشا، جلد 02، صفحۃ 32، مطبوعۃ مکتبۃ الارشاد، اسطنبول)

یونہی تفسیر "روح البیان" میں ہے: "وسبب النزول ما روى ان أعرابيا قال لرسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أقريب ربنا فنناجيه أم بعيد فنناديه فقال تعالى ايماء الى سرعة اجابة الدعاء منهم" ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ﴾۔ ترجمہ واضح ہے۔ (تفسیر روح البیان، جلد 03، صفحہ 296، مطبوعۃ دار الفکر، بیروت)

ذکر بالجہر پر آیتِ قرآنی سے دلیل:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا﴾ ترجمہ: "پھر جب اپنے حج کے کام پورے کرلو تو اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے، بلکہ اس سے زیادہ (ذکر کرو)۔" (پ02، البقرۃ: 200)

زمانہ جاہلیت میں عرب حج کے بعد کعبہ کے قریب یا جمرات کے قریب کھڑے ہوکر اپنے باپ دادا کے فضائل بلند آواز سے بیان کیا کرتے تھے، چنانچہ اِس آیت میں فرمایا گیا کہ یہ شہرت اور خودنمائی کی بیکار باتیں ہیں، اس کے بجائے ذوق وشوق کے ساتھ ذکرِ الٰہی کرو اور اُسی انداز سے کرو، جیسے اپنے آباء کا ذکر کرتے تھے اور وہ لوگ ذکرِ آباء بلند آواز سے ہی کیا کرتے تھے، لہٰذا ذکرِ الٰہی بھی یونہی کرو، چنانچہ عادتِ اہلِ عرب اور جمہور مفسرین کی رائے نقل کرتے ہوئے امام قرطبی رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (وِصال: 671ھ/1273ء) لکھتے ہیں: "كانت عادة العرب إذا قضت حجها تقف عند الجمرة، فتفاخر بالآباء، وتذكر أيام أسلافها من بسالة وكرم، وغير ذلك، حتى إن الواحد منهم ليقول: اللّٰهم إن أبي كان عظيم القبة، عظيم الجفنة، كثير المال، فأعطني مثل ما أعطيته، فلا يذكر غير أبيه، فنزلت الآية۔۔۔ هذا قول جمهور المفسرين "ترجمہ: عربوں کا یہ دستور تھا کہ جب وہ اپنا حج مکمل کرلیتے تو جمرات کے پاس کھڑے ہوجاتے اور اپنے باپ دادا پر فخر کرتے اور ان کی بہادری، سخاوت اور دوسرے کارناموں کا ذکر کرتے۔ یہاں تک کہ ان میں سے کوئی شخص یوں کہتا کہ اے اللہ! میرا والد بڑے مرتبے اور دسترخوان والا اور بہت مالدار تھا، تو مجھے بھی ویسا ہی عطا فرما، جیسا تو نے اسے عطا فرمایا۔ وہ اپنے باپ کے سوا کسی کا ذکر نہ کرتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مفسرین کی اکثریت کا یہی قول ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن، جلد02، صفحہ 431، مطبوعہ دار الکتب المصریۃ، قاھرۃ)

رب کا ذکر، اُسی طرح بلند آواز سے ہونے کا حکم دیا گیا، جیسے آباء کا کرتے تھے، چنانچہ امام فخر الدین رازی رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (وِصال: 606ھ/1209ء) لکھتے ہیں: "فلما أنعم الله عليهم بالإسلام أمرهم أن يكون ذكرهم لربهم كذكرهم لآبائهم" ترجمہ واضح ہے۔ (تفسیر الرازي، جلد05، صفحہ 333، مطبوعۃ دار احیاء التراث العربی)

اِسی آیت کے تحت عصرِ حاضر کی معتبر تفسیر "صراط الجنان" میں ہے: "اس آیت سے بلند آواز سے ذکر کرنا اور لوگوں کا اکٹھے مل کر ذکر کرنا دونوں ثابت ہوتے ہیں کیونکہ عرب لوگ اپنے باپ دادا کا ذکر بلند آواز سے کرتے تھے اور مجمع میں کرتے تھے۔" (صراط الجنان، جلد 1، صفحہ 319، مطبوعہ مکتبۃ المدینۃ)

احادیث و آثار سے جہری ذکر کا ثبوت:

ذکرِ جہری پر کم وبیش 50 احادیث دلالت کرتی ہیں۔ 25 روایات علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنے رسالے "نتیجۃ الفکر فی الجہر بالذکر" میں جمع فرمائیں اور اُس پر اضافہ کرتے ہوئے اِس تعداد کو علامہ عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ نے اپنے نہایت تحقیقی رسالہ "سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر" میں 50 تک بڑھایا۔ اُن میں سے چند روایات کو نقل کیا جاتا ہے۔

(1) حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک میں نماز کے فوری بعد بلند آواز سے ذکر ہوتا تھا، چنانچہ ابو عبد اللہ امام محمد بن اسماعیل بخاری رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (وِصال : 256ھ/870ء) حضرت ابنِ عباس رَضِیَ اللہ تعالیٰ عَنْہُمَا کی دی گئی خبر کو روایت کرتے ہوئے ناقل ہیں : ”ان ابن عباس رضي الله عنهما أخبره: أن رفع الصوت بالذكر حين ينصرف الناس من المكتوبة، كان على عهد النبي صلى الله عليه وسلم وقال ابن عباس: كنت أعلم إذا انصرفوا بذلك إذا سمعته“ ترجمہ : حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے اپنے غلام (ابو مَعبَد حضرت نافِذ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہ) کو خبر دی کہ لوگوں کے فرض نماز سے فارغ ہونے کے فوراً بعد بلند آواز سے ذکرِ الٰہی میں مشغول ہونا، نبی اکرم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے عہدِ مبارک سے رائج ہے۔ خود حضرت ابنِ عباس رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُمَا فرماتے ہیں : میں جب ذکر کو سنتا تھا، تو جان لیا کرتا تھا کہ لوگ نماز مکمل کر چکے ہیں۔ (صحیح البخاری، جلد 01، باب الذکر بعد الصلاۃ، صفحہ 168، مطبوعہ دار طوق النجاۃ، بیروت)

(2) حدیث قدسی میں لوگوں کے درمیان ذکرِ جہری کی فضیلت بیان کی گئی، چنانچہ ”صحیح البخاری“ میں ہی ہے : ”وإن ذكرني في ملإ ذكرته في ملإ خير منهم“ ترجمہ : اور اگر وہ مجھے کسی گروہ میں یاد کرے، تو میں اسے اُس سے بہتر گروہ میں یاد کرتا ہوں۔ (المرجع السابق، جلد 09، صفحہ 120)

اِس روایت کو نقل کر کے علامہ خیر الدین رملی رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے لکھا : ”والذکر فی الملاء لا یکون الا عن جھر وکذا حِلَق الذکر“ ترجمہ : گروہ میں ذکرِ الٰہی جہر کے بغیر نہیں ہو سکتا، یونہی ذکر کے حلقوں میں بھی جہر ہی ہوتا ہے۔ (الفتاوی الخیریۃ، جلد 2، صفحہ 181، مطبوعہ المطبعۃ الکبری، مصر)

(3) نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم وتر کے بعد بلند آواز سے تسبیح پڑھتے، چنانچہ ”مصابیح السنۃ“ میں ہے : ”كان رسولُ الله صلى الله عليه وسلم إذا سلَّم من الوترِ قال: سبحانَ الملكِ القُدُّوس ثلاثَ مراتٍ يرفعُ في الثالثةِ صَوْتَه“ ترجمہ : جب نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم وتر کا سلام پھیرتے، تو تین مرتبہ پڑھتے : ”سبحانَ الملك القُدُّوس“ اور تیسری مرتبہ اپنی آواز مبارک کو بلند فرماتے۔ (مصابیح السنۃ، جلد 01، صفحہ 445، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت)

اس کے تحت ”المفاتیح فی شرح المصابیح“ میں ہے : ”هذا الحديث يدل على أن الذكر برفع الصوت جائز، بل مستحب إذا لم يكن فيه الرياء ليتعلمه الناس، لإظهار الدين ووصول بركة صوت الذكر إلى السامعين والدور والبيوت والحيوانات“ ترجمہ : یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا، نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے، بشرطیکہ اس میں دکھاوا اور ریاکاری نہ ہو۔ اس طرح ذکر کرنے سے لوگ اس سے سیکھتے ہیں، دین کا اظہار ہوتا ہے اور ذکر کی برکت، سننے والوں، گھروں، مکانوں اور جانوروں تک پہنچتی ہے۔ (المفاتیح فی شرح المصابیح، جلد 02، صفحہ 289، مطبوعہ دار النوادر، شام)

(4) نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے بعد بآوازِ بلند کلمہ طیبہ اور چند اذکار پڑھے، چنانچہ ”صحیح مسلم“ میں ہے : ”كتب معاوية إلى المغيرة: اكتب إلي بشيء سمعته من رسول الله صلى الله عليه وسلم. قال: فكتب إليه سمعت رسول الله صلى

اللہ علیہ وسلم یقول إذا قضی الصلاۃ: ”لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير، اللّٰهم لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت، ولا ينفع ذا الجد منك الجد۔“ ترجمہ واضح ہے۔ (صحیح المسلم، جلد 2، صفحہ 96، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

(5) صحابہ کرام کو ذکر کے حلقوں میں شمولیت کا حکم فرمایا، چنانچہ ”سنن الترمذی“ میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”إذا مررتم برياض الجنة فارتعوا. قالوا: وما رياض الجنة؟ قال: حِلَق الذكر“ ترجمہ: جب تم جنت کے باغوں کے پاس سے گزرو، تو وہاں سے خوب فائدہ اٹھایا کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ تو نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے جواباً فرمایا: ذکر کے حلقے۔ (سنن الترمذی، جلد 05، صفحہ 488، مطبوعہ دار الغرب الاسلامی، بیروت)

یہاں ذکر الہی کے حلقوں سے مراد ایسے حلقے ہیں، جہاں ذکر اپنے اولین ومتبادر معنی یعنی تسبیح و تکبیر کی شکل میں ہو۔ اِسے غیر بدیہی معنی کی طرف لے جانا، یعنی مذاکرۂ علم وغیرہ مراد لینا، فی نفسہ تو درست ہو سکتا ہے لیکن اولین معنی کا انکار ہر گز نہیں ہو سکتا، کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ بلا ضرورت کسی لفظ کو حقیقی اور متبادر معنی سے ہٹانا درست نہیں ہوتا، چنانچہ اسی حدیث کے تحت ”ذکر“ کے بدیہی معنی کو متعین کرتے ہوئے علامہ طیبی رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے لکھا: ”وأن الذكر هو قوله: سبحان الله، والحمد لله، ولا إله إلا الله، والله أكبر“ ترجمہ واضح ہے۔ (شرح المشکاۃ للطیبی، جلد 05، صفحہ 1734، مطبوعہ مکتبۃ نزار)

یہاں یہ بھی وہم نہ ہو کہ ”حلقۂ ذکر“ سے ذکرِ جہری کا ثبوت کیسے ہوا، کیونکہ اکٹھے ہو کر آہستہ ذکر ہونا بھی تو ممکن ہے۔ یاد رکھیے کہ ذکر بالجہر کا ثبوت یوں ہوتا ہے کہ اگر ذکر صرف آہستہ ہی کرنا مقصود ہوتا، تو پھر ایک جگہ مجمع اور حلقے کی صورت میں اکٹھے بیٹھنے کا کوئی بھی نمایاں فائدہ باقی نہیں رہتا، کیونکہ اگر سری ذکر ہی کرنا ہوتا تو وہ تو اپنے گھروں میں بھی ہو سکتا تھا، لہذا معلوم ہوا کہ بالترتیب حلقہ بنا کر بیٹھنا اور پھر ذکر کرنا اِسی مقصد سے ہوتا تھا کہ جہراً کیا جائے، چنانچہ علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے لکھا: ”اذا كان الذكر سرا، فلا يظهر للاجتماع فائدة معتد بها“ ترجمہ: جب حلقہ بنا کر بھی ذکر کو سری قرار دیا جائے، تو پھر اکٹھے ہو کر حلقے بنانے اور جمع ہونے کا کوئی معتد بہا فائدہ ظاہر نہیں ہوتا۔ (سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر، صفحہ 65، مطبوعۃ دار السلام)

(6) حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو اتنی بلند آواز سے ذکر الہی کیا گیا کہ اہلِ مسجد الحرام نے سنا، چنانچہ ”التبصرۃ لابن الجوزی“ میں ہے: ”قال ابن عباس: لما أسلم عمر كبر أهل الدار تكبيرة سمعها أهل المسجد“ ترجمہ واضح ہے۔ (التبصرۃ لابن الجوزی، جلد 01، صفحہ 424، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

دو طرح کی روایات میں تطبیق و توفیق:

اگر ذکر بالجہر کے عنوان سے ذخیرۂ حدیث کا بغور مطالعہ کیا جائے تو دونوں طرح کی روایات ملتی ہیں۔ بہت سی احادیث مثلاً ”خیر الذکر الخفی“ وغیرہ میں آہستہ ذکر کو بہتر کہا گیا اور دوسری طرف کم وبیش 50 سے زائد روایات وہ بھی ہیں کہ جو ذکرِ جہری کی دلیل بنتی ہیں۔ چنانچہ شارحین حدیث اور مقاصدِ شرع سے آشنا فقہائے دین نے دونوں روایات میں نہایت خوبصورت تطبیق و توفیق دی۔

الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ شارحین وفقہاء کی فہرست ہے، جنہوں نے کم وبیش یہی تطبیق بیان فرمائی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آہستہ اور بلند آواز سے ذکر یا تلاوت کرنے کا معاملہ حالات، اشخاص اور نیتوں کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ **آہستہ ذکر کرنا اس شخص کے لیے افضل ہے، جسے خود میں دکھاوے اور ریاکاری کا ڈر ہو یا جہاں بلند آواز سے کسی نمازی کی عبادت، مریض کے ضرر یا کسی سوتے ہوئے شخص کی نیند میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو۔ اس کے برعکس اگر ریاکاری کا خطرہ نہ ہو اور دوسروں کو کوئی تکلیف بھی نہ پہنچ رہی ہو، تو بلند آواز سے ذکر یا تلاوت کرنا زیادہ افضل اور بہتر ہے۔** اس کی وجہ یہ ہے کہ بلند آواز سے پڑھنے میں محنت زیادہ ہوتی ہے، اس کی برکت اور فائدہ دوسروں تک بھی پہنچتا ہے، پڑھنے والے کا دل بیدار رہتا اور اُسے یکسوئی میسر آتی ہے، نیند اور سستی دور ہوتی ہے اور ساتھ ہی دوسروں کو بھی بیداری اور غفلت سے نکلنے کا موقع ملتا ہے۔ چنانچہ نیت اور حالات کے مطابق دونوں ہی طریقوں پر عمل کرنا اپنی اپنی جگہ درست اور باعثِ اجر ہے۔

احناف سے علامہ خیر الدین رملی رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہ "الفتاوی الخیریۃ" میں اور شوافع سے امام شرف الدین نَوَوِی رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہ (وِصال: 676ھ/1277ء) لکھتے ہیں: "قال الامام أبو حامد الغزالي وغيره من العلماء وطريق الجمع بين الأحاديث والآثار المختلفة في هذا أن الإسرار أبعد من الرياء فهو أفضل في حق من يخاف ذلك فإن لم يخف الرياء فالجهر ورفع الصوت أفضل لان العمل فيه أكثر ولأن فائدته تتعدى إلى غيره والمتعدي أفضل من اللازم ولأنه يوقظ قلب القارئ ويجمع همه إلى الفكر فيه ويصرف سمعه إليه ويطرد النوم ويزيد في النشاط ويوقظ غيره من نائم وغافل وينشطه قالوا فمهما حضره شئ من هذه النيات فالجهر أفضل فإن اجتمعت هذه النيات تضاعف الأجر" مفہوم بیان ہو چکا۔ (التبیان فی آداب حملۃ القرآن، صفحہ 105، مطبوعہ دار ابن حزم، بیروت)

<u>اِشکال</u>: بعض افراد ذکر بالجہر کے متعلق یہ اعتراض کرتے ہیں، کہ فقہ حنفی میں بعض معتبر کتابوں میں ذکر بالجہر کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

اس طرح کی تمام عبارتوں کا جواب یہ ہے کہ فقہِ حنفی ہی کی مستند کتابوں میں اور کثیر احادیث میں ذکر بالجہر کو مستحب اور کئی صورتوں میں افضل قرار دیا گیا ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، لہٰذا جن کتابوں میں ذکر بالجہر کو حرام کہا گیا، وہ مطلق نہیں ہے بلکہ صرف اُس صورت پر محمول ہے کہ جب وہ "الجھر الفاحش المضر" **ہو یعنی جسے فقہائے احناف نے** "جہر مفرط" **کہا ہے، یعنی ایسا ذکر جس میں آواز کی شدید بلندی خود کو تکلیف دے یا ایسی بلندی جو دوسروں کی اذیت کا سبب بنے۔** چنانچہ علامہ رملی رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہ لکھتے ہیں: "فان قلت صرح في الخانية بأن رفع الصوت بالذكر حرام۔۔۔ محمول على الجهر الفاحش المضر" ترجمہ مفہوماً گزر چکا۔ (الفتاوی الخیریۃ، جلد 2، صفحہ 181، مطبوعہ المطبعۃ الکبری، مصر)

<u>خلاصہ</u>:

جب خوفِ ریا اور اذیتِ غیر نہ ہو، نیز جہر بھی درجۂ اعتدال میں ہو، تو ذکر جہری کرنا افضل ہے، لیکن جب ریا کا شائبہ، کسی سوتے کو تکلیف، نمازی کے اذکار میں خلل یا مریض کو ضرر ہو تو پھر آہستہ ذکر کرنا ہی ضروری ہے۔ یہی احادیث مبارکہ میں تطبیق کی صورت اور

مقاصدِ شرعیہ اور حکمتِ دینیہ کے موافق ہے۔ امامِ اہلِ سنّت، امام احمد رضا خان رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ (وِصال: 1340ھ/1921ء) لکھتے ہیں: "ہاں دوسرے مسلمانوں کی ایذاء نہ ہونے کا لحاظ لازم ہے، سوتوں کی نیند میں خلل نہ ہو، نمازیوں کی نماز میں تشویش نہ ہو، کمانص علیہ فی البحر الرائق ورد المحتار وغیرھا۔ جب وقت لوگوں کی نیند کا ہو یا کچھ نماز پڑھ رہے ہوں تو ذکر کرو، مگر نہ اتنی آواز سے کہ ان کو ایذا ہو اور جب اس سے خالی ہو تو مختار مطلق ہو، کرو اور اتنی کثرت سے کرو کہ منافق "مجنون" کہیں اور بدمذہب بدعت۔ "

(فتاویٰ رضویہ، جلد23، صفحہ179، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

مزید ایک مقام پر لکھا: "ذکر جلی جائز ہے۔ حد معین یہ ہے کہ اتنی آواز نہ ہو جس سے اپنے آپ کو ایذاء ہو یا کسی نمازی یا مریض یا سوتے کو تکلیف پہنچے۔" (فتاویٰ رضویہ، جلد23، صفحہ182، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

وَاللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

مجیب: مفتی محمد قاسم عطاری

فتوی نمبر: FSD-10085

تاریخ اجراء: 20محرم الحرام1448ھ/06جولائی2026ء

Dar-ul-IftaAhlesunnat (Dawat-e-Islami)
www.fatwaqa.com
daruliftaahlesunnat
DaruliftaAhlesunnat
Dar-ul-ifta AhleSunnat
feedback@daruliftaahlesunnat.net